بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نظرات

مذاکرات اور مظاہرات تاریخ کی روشنی میں۔

ہم نے "فکر و نظر" کے گذشتہ شماروں میں اجتماعی زندگی سے متعلق جو کچھ محسوس کیا، اسے سپردِ قلم کر دیا۔ لیکن اب پتہ چلا کہ دل میں ابھی تک درد باقی ہے اور "چشم خون بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا" ہے، اسی کے نتیجہ میں ذیل کی چند سطریں رقم ہوئی ہیں۔

شاید سپنگل نے کہا تھا کہ انسان تاریخ سے سبق نہیں لیتا، پتہ نہیں اگر وہ ہماری تاریخ پڑھ لیتا، تو کیا حکم صادر کرتا، توقع تھی کہ ہمارے قومی رہنما ابتلاء اور آزمائش کی طویل منزلوں سے گذر کر مدبر[1] کا مقام حاصل کر لیں گے اور پھر اپنی بصیرت، ذہانت، اخلاص اور صبر و تحمل سے ہر قسم کے بحران پر قابو پا لیا کریں گے۔ مگر افسوس کہ پاکستان کے لالہ زاروں سے پھر کوئی دوسرا اقبال نہ اٹھا جو مدبر کی خالی کرسی کو زینت بخشتا۔ کہا جاتا ہے کہ مدبر کا مقام سیاستدان سے کہیں زیادہ بلند ہوتا ہے۔ وہ شاہانہ وقار کیساتھ قومی مسائل کو حل کرنے میں ملت کی رہنمائی کرتا ہے۔

پاکستان کے موجودہ قومی بحران میں جس کے نتیجہ میں ملک میں وسیع پیمانے پر انتہائی تکلیف دہ تشدد، توڑ پھوڑ اور لوٹ مار کے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ امن مذاکرات کی راہ کو ترک کرنا اسی اجتماعی تدبر کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہم نے نہ صرف اپنے گرد و پیش کی زندگی سے آنکھیں بند کر لی ہیں بلکہ اپنی عظیم الشان روایات سے بھی تغافل برتا ہے۔

رسول کریمؐ کی پاکیزہ زندگی نے ہمیں بتایا ہے کہ آپ نے انسانی خونریزی کو روکنے کے لئے ہمیشہ مذاکرات کئے اور بعض اوقات اس بلند نصب العین کی خاطر مذاکرات میں اس حد تک لچک پیدا کی کہ خود آپ کے ساتھی اس سے افسردہ اور کبیدہ خاطر ہوئے لیکن آپ نے تشدد اور خونریزی سے بچنے کے لئے اسی لچک کو گوارا کیا۔ مثلاً ۶ ھ میں آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے لیکن اہل مکہ نے آپ کو مکہ سے نو میل کے فاصلے پر حدیبیہ نامی مقام پر روک دیا۔ آپ نے اہل مکہ کو برابر یہ سمجھایا کہ وہ پر امن طور

---

[1] ۔ لندن ٹائمز نے ایک دانش مند کے بارے میں لکھا تھا:۔ Wide and Varied training made him not a politician but a statesman able to take imperial Views.

پر عبادت کے لئے مکہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن اہلِ مکہ نے ایک نہ سنی۔ آخر بڑی تگ و دو کے بعد وہ مذاکرات پر آمادہ ہوئے جن میں یہ طے پایا کہ آپ اس سال نہیں بلکہ آئندہ سال صرف تین دن کے لئے مکہ میں داخل ہو سکیں گے، نیز یہ کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے مدینہ پہنچے تو اسے واپس مکہ بھیج دیا جائے گا۔ لیکن اگر مدینہ سے کوئی آدمی بھاگ کر مکہ آجائے تو اہلِ مکہ اسے واپس کرنے کے پابند نہ ہوں گے۔ اس معاہدہ پر جواب تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے معروف ہے، حضرت عمر بن خطابؓ اور ان کے ساتھی افسردہ تھے، لیکن جس چیز کو نبوت کی آنکھ دیکھ رہی تھی وہ دوسروں کی نظر سے اوجھل تھی چنانچہ رسول کریمؐ اور آپ کے ساتھی ابھی واپس مدینہ بھی نہیں پہنچے تھے کہ اس معاہدہ کے بارے میں سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں اس معاہدہ کو فتح سے تعبیر کیا گیا کیونکہ امن و آشتی نے جنگ اور تشدد پر فتح پائی تھی۔

ان اسلامی روایات کے علاوہ خود برصغیر میں جس انداز سے سیاسی ہنگامے ہوتے رہے، وہ کانگریس کے روحانی رہنما گاندھی جی اور بانیٔ پاکستان کے درمیان اختلافات کا باعث بنے، کیونکہ موخرالذکر آئینی طریق سے سیاسی جنگ جیتنا چاہتے تھے، جبکہ مقدم الذکر مظاہرات کے ذریعہ برطانوی حکومت کو عوام کے جذبات سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مظاہرات کی تاریخ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ گاندھی جی کی پوری کوشش کے باوجود کہ عدم تشدد اور ضبطِ نفس کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، یہ مظاہرے پرامن نہ رہ سکے مثلاً ۱۹۱۹ء میں چورا چاری کے مقام پر پولیس کے چند آدمی ہلاک ہو گئے یا ۱۹۳۰ء کی نمک سازی کی تحریک میں بعض مقامات پر دونوں طرف سے تشدد رونما ہوا۔ ان واقعات کے بعد گاندھی جی نے خود ہی ہڑتالوں اور مظاہروں کو بند کرا دیا اور خود اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم نے ستیا گرہ کے نام پر عمارتوں کو جلایا ہے اور لوگوں کو قتل کیا ہے[۲]۔ تشدد کے انہی واقعات کو دیکھ کر ایک غیر ملکی نے کہا تھا: یہ بات جاننے کیلئے ہندوستان میں زیادہ عرصہ تک رہنے کی ضرورت نہیں کہ یہاں کی مختلف النوع آبادی میں ایک چیز مشترک ہے، یعنی سیاسی معاملات میں بہت کم درجے پر ہی ان کا خون کھولنے لگتا ہے۔ پوری دنیا میں کبھی بھی عوام غیر ذمہ دار آتش نوا کی اپیل پر اس سرعت اور وحشیانہ طریق سے لبیک نہیں کہتے۔[۳]

تاریخ کے ان تلخ حقائق کو دہرانے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم نہایت ہی صبر و تحمل کے ساتھ مذاکرات کی راہ پر چلتے رہیں، ایک فریق کو دوسرے فریق سے خواہ کتنے ہی جائز گلے شکوے کیوں نہ ہوں لیکن اگر وہ قومی اور ملی مفاد کی خاطر محبت کی راہ کو اختیار کرتا ہے اور اس راہ میں آنیوالی ہر مشکل حتیٰ کہ توہین کو برداشت کرتا ہے،

[۲] - تفصیل کے لئے دیکھیے جیفری ایش GEOFFERY ASHE کی کتاب گاندھی GHANDI لندن، ۱۹۶۸ء
[۳] - ایل موسلے MOSLEY برطانوی راج کے آخری دن" - لندن -

تو یہ امر تاریخی نقطۂ نظر سے قابل قدر ہے۔ چنانچہ اگر ایک پارٹی کے رہنما خونی واقعات کو دیکھ کر از خود دوسرے رہنماؤں سے مل کر خونریزی کو رکواتے ہیں۔ تو یہ بات ہم سب کے لئے باعث فخر ہوگی، خاص کر ایسے وقت میں جبکہ سبھی لوگ جمہوریت، شریعت اور صحت مند اخلاقی قدروں کا بول بالا دیکھنا چاہتے ہیں۔ گذشتہ دنوں اس سلسلے میں ایک اچھی مثال بھی قائم ہوئی جب وزیر اعظم نے اپنے قیام لاہور میں جماعت اسلامی کے معزز رہنما سے ملاقات کی، بعد میں وزیر اعظم کی طرف سے کچھ فارمولے بھی پیش کئے گئے جو کسی وجہ سے مذاکرات کی بنیاد نہ بن سکے۔ چنانچہ اب اگر حزبِ اختلاف کے رہنما خود پہل کر کے وزیر اعظم سے بات چیت کرتے ہیں یا ان سے ملنے کی خواہش رکھتے ہیں تو اس سے ہماری اخلاقی اور سیاسی زندگی میں ایک صحت مند روایت قائم ہوگی اور اس امر کو "کمزوری" یا "بے اصولی" سے تعبیر نہیں کیا جائیگا، بلکہ تاریخِ اخلاق میں اسے ایک شریفانہ عمل قرار دیا جائیگا۔ جو انسانی وقار کو بحال کرنے کیلئے سر انجام دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے فکر و نظر کے پہلے شماروں میں کہا ہے کہ ہمارا ادارہ ایک خالص علمی اور تحقیقی ادارہ ہے جس کا اپنا ایک طریق کار ہے۔ لیکن حالیہ بحران سے پیدا شدہ صورتحال نے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ ہم ایک طالب العلم کی حیثیت سے مذاکرات اور مظاہرات پر نظر ڈالیں، اور پارٹی پالیٹکس سے الگ رہ کر ان کے حسن و قبح کا فیصلہ تاریخ کی روشنی میں کریں۔

ہم نے گذشتہ شمارے میں یہ بھی لکھا تھا کہ تاریخ ہمارے تعاقب میں ہے، ہمیں اسے مایوس نہیں کرنا چاہئے، لیکن آج ہم اس میں یہ اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ نہ صرف تاریخ ہمارے تعاقب میں ہے بلکہ ہمارے اسلاف بھی اپنی قبروں کے دریچوں سے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ مزید یہ کہ ہمیں خود بھی تاریخ کی گھات میں بیٹھنا چاہیئے تاکہ پتہ چلے کہ خود تاریخ کن کن زاویوں سے ہمیں دیکھ رہی ہے۔ چنانچہ ہماری دیانتداری اور اخلاص سے یہ امید ہے کہ موجودہ بحران پر قابو پانے کے لئے ہمیں محبت، باہمی اعتماد اور تواضع و انکساری کی بنیادوں پر مذاکرات کا سہارا لینا ہوگا، نیز یہ کہ حالیہ مظاہرات کیلئے "پُر امن" الفاظ کے پردوں میں سیاسی ڈکشنری میں جائز ہی کیوں نہ ہوں یا انکی حمایت میں منطق و عقل، دلائل کے کتنے ہی انبار کیوں نہ لگا دے، عشق و محبت کی دنیا میں کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ ان کا دامن انسانی خون سے رنگین ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ممتاز علماء کرام نے جنہوں نے پوری آئی تقریر بیٹھ کر برصغیر میں برطانوی سامراج کو للکارا تھا، ہر اس جائز چیز کو بھی ممنوع قرار دیا ہے جو کسی برائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ پاکستان کے مذہبی رہنماؤں سے جن کا تعلق اسی قبیلۂ عشاق سے ہے، ہماری درخواست ہے کہ وہ تشدد اور خونریزی کو بند کرانے کے لئے امن پسند طاقتوں کے ساتھ مل کر اپنا تاریخی کردار ادا کریں۔

Fikr-o-Nasar (Islamabad) 14:12 (1977)

سیرت رسول ﷺ اور ڈاکٹر طٰہٰ حسین[1]

(۲)

شہید عشق

رشید احمد جالندھری

طہ حسین نے ''علی ہامش السیرۃ'' کی دوسری جلد ۱۹۳۷ء میں لکھی۔ اس جلد کا ہیرو ایک رومی فلسفی ہے جو عیش و عشرت کی زندگی اور مروجہ مذہبی افکار سے تنگ آکر تلاش حق کے لئے قصر شاہی کو چھوڑ دیتا ہے، اور اس راہ میں آنے والی ہر مشکل کو خوش آمدید کہتا ہے۔ طہ حسین نے اس فلسفی کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا فلسفی ساتھی مصر کے گورنر کا مصاحب تھا۔ اس کے محل میں عیش و عشرت کی بزم جمتی جس میں رقص و سرور سے گرمی آتی۔ ایک دفعہ ایک مطربہ نے گانا سنایا جس پر گورنر اور اس کے دونوں ساتھی، جن میں سے ایک فلسفی ہے، افسردہ خاطر ہوئے۔ مطربہ سے نغمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ یہ گانا دراصل ایک امانت ہے جو اسے اپنے خاندان سے ورثے میں ملی ہے۔ اس کی ماں، نانی اور دوسری بزرگوار بڑی مائیں اس گانے کے ذریعے اپنے اس اندرونی سوزو گداز اور قلق و اضطراب کا اظہار کیا کرتی تھیں، جن سے ان کے دل معمور تھے، کیونکہ انھیں اپنے موروثی عقائد سے سرکاری طور پر دست بردار ہونے کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔ عیش و طرب کی یہ محفلیں برابر جاری رہیں اور زندگی ایک معمول کے مطابق چلتی رہی۔ گورنر انتظامی امور کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو عیسائی دین کا محافظ بھی سمجھتا تھا۔ عیسائی دین کے خلاف کسی قسم کی فکری یا نظری بغاوت وفاداری کے خلاف تھی۔ لیکن بالآخر فلسفی ایک دن

---

۱ - پہلی قسط کیلئے دیکھئے فکر و نظر مارچ ۱۹۷۷ء